راحت و مصیبت پر صبر و شکر

تحریر: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

راحت اور مصیبت دونوں موقعوں پر بیک وقت صبر اور شکر دونوں ضروری ہیں۔ مصیبت کے وقت صبر کی ضرورت تو واضح ہے۔ راحت کی نعمت میں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا (اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت پر قائم رکھنا) بھی ضروری ہے، کیونکہ راحت کی آزمائش مصیبت کی آزمائش سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے: ''ہماری آزمائش مصیبت کے ساتھ ہوئی تو ہم نے صبر کرلیا اور ہماری آزمائش راحت کے ساتھ ہوئی تو ہم صبر نہ کر سکے۔''

حدیث میں ہے: (اللھم انی أعوذ بک من فتنة الفقر و شر فتنة الغنی) [بخاری و مسلم]
''اے اللہ میں فقر کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور غنا کے فتنہ کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔''

فقر کی حالت میں بہت سے لوگ ٹھیک رہتے ہیں خوشحالی کی حالت میں بہت کم افراد صحیح رہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے والے اکثر مسکین لوگ ہوں گے۔ کیونکہ فقر کی آزمائش نسبتاً نرم ہے اور دونوں میں صبر کی بھی ضرورت ہے اور شکر کی بھی۔ لیکن چونکہ خوشحالی میں ایک لذت ہوتی ہے اور مصیبت میں الم اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے خوشحالی میں شکر اور مصیبت میں صبر زیادہ مشہور ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ لَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاء بَعْدَ ضَرَّاء مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّيْ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝ إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولٰئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ أَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ [ھود: ۹-۱۱] ''اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھائیں، پھر اس سے وہ چھین لیں تو وہ مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر اسے تنگی پہنچنے کے بعد ہم نعمت کا ذائقہ چکھائیں تو ضرور کہتا ہے: میرے دکھ درد مجھ سے دور ہوگئے اور وہ خوش ہونے والا، فخر کرنے والا بن جاتا ہے مگر جنہوں نے صبر کیا اور نیک کام کیے ان کیلئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔''

خوشحالی والے کو شکر کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور تکلیف والے کو صبر کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اس کا شکر اور اس کا صبر واجب ہے، جس کے ترک سے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ البتہ نعمت والے کا صبر بعض اوقات مستحب ہوتا ہے، جب وہ زائد از ضرورت خواہشات سے صبر کر لے اور بعض اوقات واجب ہوتا ہے۔ لیکن اس کے شکر ادا کرنے کی وجہ سے جو خود ایک نیکی ہے اس کے بہت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح صاحب مصیبت ہے کہ اس کیلئے بعض اوقات شکر مستحب ہوتا ہے، جب وہ شکر اس قسم کا ہو کہ وہ اس کی وجہ سے سابقین مقربین کا مقام حاصل کر لے اور بعض اوقات شکر میں اس کی کوتاہی اس کے صبر کی وجہ سے معاف ہو جاتی ہے، کیونکہ صبر و شکر کے اجتماع سے نفس کو دکھ اور لذت دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ وہ تکلیف پر صبر کرتا ہے اور نعمت پر شکر کرتا ہے۔ بہت سے لوگوں کیلئے اس کیفیت کا حصول مشکل ہوتا ہے جبکہ اس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں، اگر چہ بہت سے لوگوں کو ابتدا میں نعمت کا احساس نہیں ہوتا، کیونکہ ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' لہٰذا اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اس کی طرف سے نعمت ہی ہوتی ہے۔

انسان کے گناہ

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہو گیا کہ انسان کے گناہ خود اس کی طرف سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر انسان کی عاقبت اچھی ہو تو یہی گناہ اس کیلئے نعمت بن جاتے ہیں اور دوسروں کیلئے بھی نعمت بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ان سے عبرت، ہدایت اور ایمان حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دعا کو بہترین دعاؤں میں شمار کیا گیا ہے: (**اللھم لا تجعلنی عبرۃ لغیری، و لا تجعل احدا اسعد بما علمتنی منی**) ''اے اللہ! مجھے دوسروں کیلئے عبرت نہ بنانا اور مجھے تو نے جو علم دیا ہے اس کے ساتھ مجھ سے زیادہ کسی اور کو خوش قسمت نہ بنانا۔ یعنی میرے علم کا سب سے زیادہ فائدہ مجھ ہی کو حاصل ہو۔''

قرآن کریم میں یہ دعائیں بھی وارد ہوئی ہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [یونس: ۸۵] ''ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کیلئے فتنہ نہ بنا دینا۔'' ایک اور دعا ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا......﴾ [الممتحنة: ۵] ''ہمارے رب! ہمیں کافروں کیلئے فتنہ نہ بنانا۔'' اس کے ساتھ یہ دعا بھی ہے: ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ [الفرقان: ۷۴] ''اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔''

یعنی جو کوئی ہماری پیروی کرے اس کیلئے ہمیں رہنما بنا دے اور ہمیں کسی کیلئے آزمائش نہ بنا کہ وہ ہماری وجہ سے گمراہ ہو جائے اور خوش قسمتی سے محروم ہو جائے۔ سورۃ الرحمٰن میں جو لفظ ''آلاء'' آیا ہے، لغت میں اس کا معنی نعمت ہے اور اس میں ضمنی طور پر قدرت کا مفہوم بھی شامل ہے۔

ابن قتیبہؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی نعمتیں گنوائی ہیں، اپنے بندوں کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور انہیں اپنی قدرت سے آگاہ کیا ہے، اس لیے ہر دو نعمتوں کے درمیان اس آیت کو ذکر کیا ہے تاکہ ہر نعمت کی اچھی طرح سمجھ آجائے اور وہ اس نعمت کا اقرار کریں۔

قرآن سب کا سب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذریعے نصیحت پر مشتمل ہے

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان نشانیوں کے ذریعے نصیحت کرتا ہے جو اس کی قدرت و ربوبیت کو ظاہر کرتی ہیں اور ان آیتوں کے ذریعے نصیحت کرتا ہے جن میں اس کی نعمتوں اور بندوں پر اس کے احسانات کا بیان ہے۔ ان آیات کے ذریعے بھی نصیحت کرتا ہے جو اس کی حکمت کو واضح کرتی ہیں اور یہ سب امور لازم و ملزوم ہیں۔ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ اس کی نعمت ہے اور اس کی قدرت و حکمت کی دلیل بھی ہے۔ لیکن رزق کی نعمت، کھانے، پینے، پہننے اور رہائش کی نعمتیں سب کے سامنے واضح ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں سے استدلال کیا ہے۔ سورۃ النحل میں بھی یہی کیفیت ہے۔ اسی لیے قتادہؒ اور دیگر علماء نے اس سورت کو ''سورۃ النعم'' (نعمتوں والی سورت) کہا ہے۔

''حمد'' اور ''شکر'' میں فرق

اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ حمد اسباب کے لحاظ سے شکر کی نسبت عام ہے، کیونکہ حمد نعمت پر بھی ہوتی ہے اور غیر نعمت پر بھی، جبکہ شکر صرف نعمت پر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس شکر اپنی انواع کے لحاظ سے عام ہے کہ شکر دل سے بھی ہوتا ہے، زبان سے بھی اور ہاتھ سے بھی، جبکہ حمد صرف زبان سے ہوتی ہے۔ چونکہ ہر مخلوق میں نعمت کا پہلو پایا جاتا ہے اور حمد صرف نعمت پر ہوتی ہے لہٰذا ہر حال میں اللہ کی حمد ہے۔ کیونکہ اللہ بندے کیلئے جس جس حال کا بھی فیصلہ کرتا ہے وہ بندے کیلئے نعمت ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کی سمجھ اسے نصیب ہوتی ہے جو مخلوقات میں موجود نعمتوں کا ادراک رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی پیدا فرماتا ہے اس میں اس کی

کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، اس حکمت کے لحاظ سے اس مخلوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جاتی ہے۔

یہی حال قدریہ فرقے کا ہے جو کہتے ہیں کہ اس سے حکمت کا تعلق نہیں بلکہ ہر چیز میں مخلوق کا فائدہ پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کے ہاں صرف ''شکر'' ہی سب کچھ ہے، جبکہ جہمیہ فرقہ کے ہاں ''قدرت'' ہی سب کچھ ہے۔ حالانکہ قدرت جب نعمت وحکمت سے خالی ہو تو اس سے حمد کا وصف ظاہر نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک شخص ایسا کام کرنے پر قادر ہے جس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے اور وہ اس کام کے ذریعے کسی کو نفع نہیں پہنچاتا، تو ایسے شخص کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔

اس طرح جہم کی پیروی کرنے والے فرقہ جہمیہ کے قول کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حمد کا مستحق نہیں۔ ان کے خیال میں اسے اقتدار تو حاصل ہے لیکن حمد نہیں۔ درحقیقت وہ اس کی حکومت واقتدار کی معرفت سے ہی قاصر ہیں۔ [نعوذ باللہ]

ا[illegible] فرقہ معتزلہ کے خیال میں اللہ تعالیٰ کو ایک نوع کی حمد تو حاصل ہے لیکن اس کی حکومت و [illegible] ہے، کیونکہ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہتا ہے بعض اوقات وہ نہیں ہوتا اور جو نہیں چاہتا وہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں جو اس کے دائرہ قدرت سے باہر ہوتے ہیں۔ سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ اسے مکمل حمد اور مکمل اقتدار حاصل ہے۔ وہ اپنی حکمت کی وجہ سے بھی قابل تعریف ہے اور اپنی قدرت ورحمت کی وجہ سے بھی تعریف کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [آل عمران: ۱۸] ''اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، فرشتے اور علماء بھی گواہی دیتے ہیں۔ وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

لہٰذا اسے الوہیت میں وحدانیت حاصل ہے اور وہ عدل، غلبہ اور حکومت سے متصف ہے۔ سلف صالحین اور ان کے متبعین اللہ تعالیٰ کی ان چاروں صفات کا اقرار کرتے ہیں اور جو کوئی سنت کی معرفت سے قاصر رہتا ہے وہ اللہ کا حق مکمل طور پر ادا کرنے سے بھی قاصر رہتا ہے۔ جھمیہ اور جبریہ مذہب کا پیرو درحقیقت عدل، حکمت اور توحید الوہیت حتیٰ کہ توحید ربوبیت کا بھی انکار کرتا ہے اور معتزلہ کے مذہب کا پیرو

بھی صحیح طور پر نہ توحید الوہیت کو مانتا ہے نہ حسنات وسیئات میں عدل کو، نہ غلبہ وقدرت کو، نہ حکمت کو اگر چہ وہ کہے کہ میں حکومت کو مانتا ہوں اور اس کا مفہوم کسی اور کی طرف راجع ہے۔ یہ کام حکمت نہیں ہوسکتا۔ چونکہ حمد صرف نعمت پر ہی واقع ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ وہ شکر کا اہم ترین جزو بلکہ شکر کی ابتداء ہے۔ حمد اگر نعمت اور حکمت پر ہو تو عملی شکر اللہ کی نعمت پر اور اس کی عبادت پر ہوتا ہے اور عبادت اس کی الوہیت کی وجہ سے ہے جو اس کی حکمت کو متضمن ہے۔ اس طرح سب امور شکر میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے شکر کو اس قدر اہمیت دی ہے جتنی خالی حمد کو نہیں دی، جب وہ شکر کی ایک قسم کے طور پر مذکورہ ہوا اور حمد.... یعنی زبانی شکر...... کو ہر خطاب سے پہلے توحید کے ساتھ شروع کیا ہے۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ میں شکر اور توحید ہے اور شرعی خطبوں میں شکر اور توحید لازمی ہے اور الباقیات الصالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) دو قسم کی ہیں: (سبحان اللہ و بحمدہ) میں شکر، تنزیہہ اور تعظیم ہے اور (لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر) میں توحید اور تکبیر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فادعوہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العلمین﴾ [مومن: ۶۵] ''اس کو پکار، اس کیلئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے تعریف سب اللہ رب العالمین ہی کی ہے۔''

اللہ کی طرف سے برائیوں کا مقدر کرنا

کیا ''حمد ہر اس چیز پر ہوسکتی ہے جس سے کسی کی مدح ہوسکے اگر چہ وہ اس کے اختیار میں نہ ہو؟ ''حمد'' کا لفظ صرف اختیاری امور پر بولا جاسکتا ہے جس طرح ''ذم'' کا لفظ بولا جاتا ہے؟ یہ ایک تفصیلی بحث کے لائق موضوع ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعا پڑھتے:

(ربنا و لک الحمد، ملء السماء و ملء الارض، و ملء ما شئت من شئی بعد، اھل الثناء و المجد، احق ما قال العبد، و کلنا لک عبد، لا ما نع لما أعطیت، و لا معطی لما منعت، و لا ینفع ذاالجد منک الجد) ''اے ہمارے رب! تعریف تیرے ہی لیے ہے، آسمان بھر، زمین بھر اور اس کے بعد جو تو چاہے اس کو بھرنے کے برابر۔ اے تعریف اور بزرگی کے لائق! بندہ جو (تعریفی کلمات) بھی کہے اے ان کے سب سے زیادہ حق رکھنے والے! اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں جو کچھ تو عطا فرمائے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روک لے وہ کوئی عطا نہیں کرسکتا، اور کسی مقام و مرتبہ والے کو تیرے (غضب) سے (بچانے کیلئے) اس کا مقام و مرتبہ فائدہ نہیں دے سکتا۔''

اس حدیث میں اسم تفضیل کے صیغہ سے لفظ "أحق" (سب سے زیادہ حق رکھنے والا) وارد ہوا ہے۔ بعض کتب کے مصنفین نے اس حدیث میں غلطی کی ہے اور کہا ہے (حق ما قال العبد) "بندہ جو کچھ بھی کہے وہ حق ہے۔" یہ رسول اللہ ﷺ کے فرمائے ہوئے الفاظ نہیں، نہ یہ بات ویسے ہی درست ہے، کیونکہ بندہ تو صحیح بات بھی کہتا ہے اور غلط بات بھی کہتا ہے بلکہ حق صرف وہی ہے جو رب فرمائے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ﴾ [ص: ۸۴] "پس حق یہ ہے اور میں صرف حق ہی کہا کرتا ہوں۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بندوں کی کہی ہوئی باتوں میں سب سے زیادہ حق اور سچی بات اللہ کی حمد ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر نماز میں اس حمد کو واجب قرار دیا ہے اور سورۃ الفاتحہ کی ابتدا اس سے کی ہے، ہر خطبہ میں اور ہر اہم موقع پر اسے لازم قرار دیا ہے۔ حمد مذمت کی ضد ہے۔ حمد ممدوح کی خوبیوں پر، اس سے محبت کی وجہ سے کی جاتی ہے، مذمت کسی کی برائیوں کی وجہ سے اور اس سے بغض ونفرت کی بناء پر کی جاتی ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھلائی صادر فرماتا ہے اور وہ حکمت والا ہے۔ اپنے بندوں پر مہربان ہے، اپنے بندوں پر اتنی شفقت کرتا ہے جتنی کوئی ماں بھی اپنی اولاد پر نہیں کر سکتی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بندوں کو بھی اس سے محبت کرنی چاہیے اور اس کی حمد وتعریف کرنی چاہیے۔

لیکن اس کے برعکس جب جہمیہ جیسے گمراہ فرقوں کی طرح یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جو خالص شر ہیں، ان میں نہ کوئی فائدہ ہے نہ رحمت کا کوئی پہلو اور نہ کوئی حکمت، بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے ارادہ کا مالک ہے جس سے وہ ایک جیسی چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دے دیتا ہے، اس کے نزدیک رحم کرنے اور عذاب دینے میں کوئی فرق نہیں، اس کا ارادہ مخلوق پر احسان کے پہلو کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ اس کے نزدیک بندوں کو نعمت دینے اور عذاب دینے میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی مخلوق کو محض شر اور عذاب کیلئے بھی پیدا کر دیتا ہے اور بغیر حکمت کے جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے تو گمراہ فرقوں کے اس قول کا نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ بندے اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اس کی تعریف کریں۔ بلکہ اس کے برعکس نتیجہ نکلے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بہت سے افراد اللہ تعالیٰ کی مذمت، طعن اور زبان درازی کی جسارت کرتے ہیں اور نظم ونثر میں یہ گندے خیالات پیش کرتے ہیں۔ ان کے بہت سے بڑے بڑے اور لیڈر بھی اپنے کلام میں ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن کا نتیجہ یہی نکلتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی زبان سے ایسی بات نہیں

کہتا تو اس کا دل بہر حال اسی قسم کے جذبات سے پُر ہوتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اظہار سے کوئی فائدہ نہیں یا وہ عام مسلمانوں کے خوف سے زبان بند رکھتا ہے۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے خلاف ابلیس اور اس کے پیروکاروں کے حق میں دلیلیں قائم کرتے ہیں اور رب کو ظالم قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف اس کے برعکس اس طرح بیان کیا ہے: ﴿وَ مَا ظَلَمْنَاهُمْ وَ لَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ﴾ [الزخرف: ٧٦] ''ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے۔''

اور فرمایا ﴿وَ مَا ظَلَمْنَا هُمْ وَ لَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ [هود: ١٠١] ''ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا۔'' اور فرمایا: ﴿وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾ [فصلت: ٤٦] ''اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کو کیسے ظالم قرار دیا جا سکتا ہے حالانکہ خود ان لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ ان میں سے اگر کوئی دوسرے پر زیادتی کرے یا اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو وہ اس کی گرفت کرے گا، اسے سزا دے گا یا اس سے بدلہ لے گا۔ اس کے اس مؤاخذے کو حق اور انصاف ہی قرار دیا جائے گا بشرطیکہ وہ بدلہ لینے یا سزا دینے میں حد سے نہ بڑھ جائے اور اگر زیادہ کرنے والا یہ عذر پیش کرے کہ میں نے جو غلطی کی ہے یہ میری قسمت میں لکھی ہوئی تھی لہٰذا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تو اس کا عذر تمام اہل عقل کے نزدیک نا قابل قبول ہوگا۔

جب اہل عقل وفہم اس بات پر متفق ہیں کہ تقدیر کو دلیل بنا کر کسی مخلوق کی حق تلفی کرنا درست نہیں تو اسی تقدیر کو دلیل بنا کر خالق کا حق ادا کرنے سے انکار کر دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انصاف کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا ہے جو ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

اگر کوئی نیکی کرے تو اسے کئی گناہ زیادہ بدلہ دیتا ہے اور اس کے علاوہ اپنے پاس سے مزید ثواب عنایت فرماتا ہے تو آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد (**الحق ما قال العبد**) یہ ثابت کرتا ہے کہ بندہ جو بھی باتیں کرتا ہے ان میں سب سے سچی اور برحق بات اللہ کی حمد وثناء ہے اور ہر حال میں وہی حمد کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ محض بھلائی اور احسان ہی کرتا ہے اور اس پر وہ حمد وشکر کا مستحق ہے اگرچہ بندوں کو یہ بات سمجھ نہ بھی آئے۔